تین نابینا شاعر

(ابوالعلاء معری، جرأت، ظہور احمد فاتح)

ڈاکٹر راشدہ قاضی*

Abstract:

"Vision / sight is the great blessing of Nature. Without sight life becomes dark and drab. But in the chapters of social as well literary history, there have been passed many personalities who done remarkable performance in the different fields of life without this blessing. In this paper the poetry of three blinds poets is discussed, who proved the pillers of poetry in their respective ages. First blind poet of Arabic poetry Abu-ul-Aala Moari is the aggressive poet of his age. The second personality is Qalandar Bakhsh Jurat. He is a traditional poet, he played an important role in the development of modern poetry of Urdu. While Maulana Muhammad Hussain Azad entitled his as the sex driven poet in their book "Aab-e-Hayat". But this rejection and criticism could not fade his fame. He is still illuminating the traditions and customs of Lakhnu by his great poetry.

While Zahoor Ahmed Fatih is the blind poet of Taunsa Shareef. The poetry of 'Faith' is decorated with the taste of romance and happiness. He flourished the deserts of South Punjab with the fragrance of his poetry."

بصارت قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے۔ اگر یہ موجود رہے تو قدر و قیمت کا اندازنہیں ہوتا مگر چھن جائے تو دنیا اندھیر ہو جاتی ہے، مگر یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اگر انسان سے ایک نعمت چھن جائے تو پروردگار اس کی جگہ کوئی اور ایسی نعمت دے دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ بصارت سے محرومی کو ایسا رومانوی رنگ دیا جائے کہ سائنسی اور طبی اعتبار سے پس ماندگی پر مصر سیاسی اور سماجی نظام کی کم توفیقی کی طرف

* شعبہ اُردو، کمرشل انسٹیٹیوٹ برائے خواتین، ڈیرہ غازی خان

آنکھوں والوں کی نظر ہی نہ جائے۔ بہر طور پہلے زیرِ مطالعہ شاعر عربی شاعری میں فکر و فلسفہ اور یاس و برہمی کی آواز ابوالعلاء معری ہیں۔جنہوں نے اپنی قبر کے لیے خود کتبہ لکھا۔

''یہ ظلم میرے باپ نے مجھ پر کیا تھا، میں نے یہ ظلم کسی پر نہیں کیا''(۱) زندگی کے بارے میں یہ خیال کہ یہ مصائب و آلام کا مجموعہ ہے۔ جن سے انسان مر کر ہی نجات پا سکتا ہے۔ جب سے انسان نے ہوش سنبھالا زندگی کے بارے میں انہی خیالات کا اظہار کرتا رہا۔سوفو کلیز اس دنیا میں پیدا نہ ہونا ہی سب سے اچھی بات قرار دیتا ہے۔ بدھ مت ہو یا ہندومت میں بھی دنیا کو دھوکا مانا گیا۔فکر و دانش کی اس تاریخ اور روایت کے برعکس ایک عرب شاعر اُٹھ کہتا ہے کہ:

''یہ زندگی تمام کوفت اور تھکن ہے مجھے اُس پہ ہے جو اس میں زیادہ جینے کی آرزو رکھتا ہے۔'(ابوالعلاء معری، مشمولہ، اخوان الصفا، ص ۹۰)

''اے موت اب نزول کر کہ یہ زندگی مذموم ہو چلی ہے'' (ایضاً، ص ۹۰) تو سننے والے کو حیرت ہوتی ہے کہ مذہباً مسلمان اس عرب شاعر کا انداز جدا ہے۔ مسلمانوں کی رجائیت مثبت اثر رکھتی ہے مگر ابدی حیات کا رومانس معری کی شاعری میں نہیں ہے۔اس کی شاعری عام ڈگر سے ہٹی ہوئی ہے۔

وہ اپنی منفرد سوچ کے ذریعے ایسے موضوعات کا انتخاب کرتا ہے جو عربی شاعری کے دائرہ اثر میں نہ تھے۔ وہ عربی شاعری کو نیا لہجہ اور آہنگ دیتیز زندگی بسر کرنے والا یہ شاعر ہوش سنبھالنے سے قبل ہی دونوں آنکھوں کی بینائی کھو چکا تھا۔ زندگی کے ۸۰ برس کی طویل مسافت اس شاعر نے اندھیروں میں طے کیا۔

عباسی دور کو فکری، ثقافتی اور ادبی اعتبار سے ممتاز مقام حاصل رہے۔اسی دور میں بشّار بن برد، ابوالقاہیہ، ابونواس، ابوتمام، بحتری اور متنبّی جیسے اکابرین گزر چکے تھے اور متنبّی جیسے شاعر کے بعد تو کسی اور شاعر کا مقام بنانا ناممکن لگتا تھا۔لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد ابوالعلاء معری نے اپنے اندر کی آنکھ سے وہ دیکھا کہ آنکھ والے ورطہ حیرت میں گم تھے۔ ان کے افکار سے اتفاق نہ کرنے والے بھی متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ بعد میں اہلِ مشرق سے زیادہ اہلِ مغرب نے معری کو تحقیق کا موضوع بنایا۔

معری پہلا عرب شاعر ہے۔جس نے خالص فکر کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ موضوعات مروج کو معری نے اپنے دیوان ''لزوم مالا یلزم'' مختصراً ''لزومیات'' میں فکرِ کہنہ کی روایت سے بغاوت کر دی۔ وہ شاعری میں آرائش کا قائل نہ تھا۔ وہ ابلاغِ معنی کو اہمیت دیتا ہے۔ وہ سادہ اور بے تکلف انداز کا شاعر ہے۔ روایت اور مذہبی تعلیم کے برعکس اس نے اسلام سمیت تمام مذاہب پر کھل کر تنقید کی۔ بعض اوقات اس کا انداز خالصتاً قنوطی ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کو سراسر دکھ اور کوفت قرار دیتا ہے۔

انسان کے نہ ہونے کو ہونے پر ترجیح دی۔ اپنے نظریے کے پیشِ نظر اس شاعرِ منفرد نے شادی نہ کی اور نہ

ہی کسی کو اس دنیا میں لانے کے بعد اُسے دکھ میں مبتلا کرنے کا باعث بنے۔ معری شاعر بھی تھا، مفکر بھی اور فلسفی بھی۔ وہ اپنی فکر میں ایمان اور وجدان پر عقل کو برتر پاتا ہے۔ یہ کڑی قنوطیت (Stark Pessimism) اس کی شاعری کا محوری نکتہ ہے۔

چہرے پر چیچک کے نشان اور بینائی سے محروم یہ شاعر تحصیلِ علم کا شائق تھا۔ اپنے والد سے لغت اور ادب کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ یحییٰ بن مسعر سے حدیث کا علم بھی حاصل کیا۔ حلب میں سیف الدولہ کے دربار کے مشہور نحوی اور ماہر آثار ادب و تاریخ ابنِ خالویہ کے حلقے کے اہلِ علم سے ادب و لسانیات میں اکتساب فیض کیا۔ حلب میں ۲۰ ہزار کتب کا رس لے کر سلطنتِ عباسیہ میں اس شاعر نے مزید علم کی جستجو میں انطاکیہ و طرابلس کا رخ کیا اور بہت سی کتب یادداشت میں محفوظ کر لیں۔

ابوالعلاء کی آمدنی صرف ۳۰ ہزار دینار سالانہ وظیفہ تھی۔ جو مقامی حکومت معذوری کے باعث دیتی۔ شاعر نے انانیت کو برقرار رکھا اور کبھی دربار یا اُمراء کا سہارا نہ لیا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ پہلے دیوان ''سقط الزند'' میں معری اپنے دورِ شباب میں عربی شاعری کی روایت کی پاسداری کی حد تک کرتا ہے۔ اس دور میں وہ اپنے شعروں میں سواری کے جانوروں سفر، محبوب شخصیات، سیف و سناں اور زرہ بکتر وغیرہ کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اگرچہ معری کی شاعری کا موضوع مناظرِ فطرت بھی ہے مگر ان کا موضوع کوئی پیکرِ جمال نہیں رہا۔ ایامِ شباب میں بھی ان کی شاعری پر فکر و دانش کی چھاپ نمایاں ہے۔ اگرچہ رومانی خیال کے کچھ حوالے مل جاتے ہیں مگر ان میں تجربے کی آنچ نہیں ہے۔

> ''اے اسیرِ پازیب! یہ کیا نادانی ہے کہ ایک نازک اندام جس کے لیے نظر اٹھا کر دیکھنا
> بھی دوبھر ہو، وہ زیوروں کا بوجھ اُٹھائے پھرے۔'' (ایضاً، ص ۱۰۳)

اور

> ''آپ کے لیے میری محبت کو وقت نے فرسودہ کر دیا ہے۔ وقت جس کے نرم سے نرم
> واقعات بھی اپنی سختی میں مثلِ آہن ہوتے ہیں۔'' (ایضاً، ص ۱۰۵)

وقت کا تصور مختلف ناقدین و فلسفیوں میں زیرِ بحث رہا ہے۔ وقت حرکت و تغیر سے عبارت ہے۔ وقت کا اثر انسانی جذبے، محبت پر بھی پڑتا ہے۔ معری کے نزدیک وقت کی گرد محبت کے نقوش بھی دھندلا دیتی ہے۔

معری کے مرثیے خاصے کی چیز ہیں۔ ابوحمزہ تنوخی کی موت پہ کہا گیا مرثیہ رفعتِ خیال کی عمدہ مثال ہے۔

> ''میرے عقیدہ و مسلک میں دونوں لاحاصل ہیں۔ ماتم گسار کا نوحہ ہو یا مطرب کا
> ترنم۔'' (ایضاً، ص ۱۰۶)

''کتنی ہی قبریں ایسی ہوں گی جو ایک سے زیادہ مرتبہ مدفن بنیں اور اپنے اندر متضاد انسانوں کے جمع ہونے پر خندہ زن ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ **(ایضاً)** فخر و مباہات کے موضوع پہ بھی بلاغت و سلاست کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

''میرے اندر جو چیز مضمر ہے اس نے شب و روز کو بھی فکر میں مبتلا کر دیا ہے اور جو کچھ میں برداشت کیے ہوئے ہوں اس کا بوجھ پہاڑ بھی نہیں سہہ سکتے۔'' (ایضاً، ص۱۱۱)

اگر چہ مشکل پسندی نے ان کی شاعری کے ابلاغ کو نقصان پہنچایا تاہم ان کی شاعری کا حسن نہ گہنا سکا۔ حیات کے معاملات ہوں یا موت کا راز سبھی کو معری نے اپنے فکر میں جگہ دی اور اچھوتے خیال پیش کیے۔

''صدیاں بیت گئیں اور ہمارے بعد بھی اُمتیں آ کر گزر جائیں گی لیکن یہ جو 'راز' ہے یہ راز ہی رہے گا۔ تا آنکہ صور پھونکا جائے اور قیامت قائم ہو۔'' (ایضاً، ص۱۳۳)

''میں نے زمانے کی خصلت دیکھ لی ہے۔ اس کی برائیاں تو حاضر مال ہیں لیکن اس کی اچھائیاں وعدے ہی وعدے ہیں۔'' (ایضاً، ص۱۴۱)

زندگی، موت، خوشی، دکھ، مذہب، آخرت یہاں تک کہ وراثت تک پہ معری نے عقلی و ذہنی رویہ اپنایا۔

''ماں کو مرنے والے کے ترکے میں سے صرف چھٹا حصہ ملتا ہے۔ جبکہ بیٹی کو آدھا اور بیوی کو چوتھائی، حالانکہ مرنے والے کے لیے جو شفقت و زافت؟ ماں کی تھی وہ ان دونوں میں سے کسی کی نہیں ہو سکتی۔'' (ایضاً، ص۱۵۰)

بلاشبہ معری کے اندر کی دنیا بہت روشن تھی اور اس آنکھ سے وہ ایک جہانِ معنی دیکھتا تھا اور بلاشبہ وہ ایک ہزار سال بعد کا شاعر تھا جو ایک ہزار سال پہلے پیدا ہو گیا۔

''اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ آدمی ایک عذابِ مسلسل میں رہے تا آنکہ ایک دن اس کے جاننے والے یہ اعلان کر دیں کہ وہ مر گیا۔ جب جب ایسا ہو تو اس دن جا کر تم اس کے وارثوں کو مبارکباد دو کہ انہوں نے اس کا ترکہ پایا اور جو چلا گیا اس نے راحت پائی'' (ایضاً، ص۳۱)

قلندر بخش جرأت (۱۸۰۹ء-۱۷۴۹ء)

جرأت کوچہ رائے مان دلی کے رہنے والے ایک خاندان کا فرد تھا۔ اس کے بزرگوں کو عہدِ اکبری سے دربارِ شاہی میں دربانی کا عہدہ حاصل تھا۔ دلی میں پھیلی ابتری کے باعث ۱۷۵۷ء کے لگ بھگ اس خاندان کو دلی چھوڑنی پڑی چنانچہ یہ خاندان پہلے لکھنؤ اور پھر فیض آباد پہنچا۔ (۲)

فیض آباد اور لکھنؤ میں جرأت نے تعلیمی مدارج طے کیے۔ شعر و سخن کا ذوق پروان چڑھا تو جعفر علی حسرت کی شاگردی اختیار کی۔ علمِ نجوم اور ستار نوازی سے بھی شغف رہا۔ جرأت عین جوانی میں بینائی سے محروم ہوا۔ (۳)

جرأت کا شمار اُن شعرا میں کیا جاتا ہے کہ جن کے تخلیقی کارناموں سے لکھنؤ کی شاعری کا ایک جداگانہ رنگ قائم ہوا اور ان کی قائم کردہ روایت پر مستقبل کی اُردو شاعری نے اپنا سفر جاری رکھا۔ مگر اس اہمیت کے باوجود مصحفی اور انشا کے معاصرین میں جرأت وہ بدنصیب شاعر ہے۔ جو اپنی بینائی کے نہ ہونے کے ساتھ ساتھ میر کی یہ رائے لے ڈوبی کہ ''تم شعر کہنا تو نہیں جانتے ہو اپنی چوما چاٹی کہہ لیا کرو'' اس رائے کو آزاد نے ہر سو پھیلا دیا۔ گویا جرأت

ستم زدہِ میرؔ کے ساتھ ستم زدہ آزاد بھی ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جرأت معاملہ بندی کا جنسی شاعر ہے۔اس کی شاعری میں اپنے عہد کی پر تعیش زندگی کی عکاس ہے، لیکن جرأت کی شاعری میں صرف جنسیت ہی نہیں اس میں کچھ اور جو ہر بھی موجود ہیں۔اس کی غزل کی داخلیت، سوز و گداز، عشق، جاں سوزی، خستگی اور جنون کو بھی اہمیت حاصل ہے۔غزل کی خالص شاعری کے تجربے بھی جرأت کے ہاں موجود ہیں۔نابینا شاعر سراپا نگاری کرتا ہے تو حسن ہمکلام ہو جاتا ہے۔جرأت کے اندر اندھیرا تھا اس صدمے نے اس کے اندر کی دنیا کو سوگوار بنا دیا۔اس کی شاعری کا یہ درد اُمنڈ کے باہر آتا رہا۔

جرأت کی عشق پیشہ شاعری اور معاملہ بندی اپنی تہذیب کی عکاس ہے، مگر اس کا دل ماتمی دھنیں بجاتا رہا۔ لکھنؤ کی نشاطیہ رواں دواں زندگی میں جرأت کا کرب انگیز نغمہ اس کی منفرد حیثیت کا اعلان کرتا ہے اور اس کا داخلی آشوب اس کی پہچان بن جاتا ہے۔

ملکِ دل میرا سدا سنسان ہی رہتا ہے آہ
سب نگر بستے ہیں یارب اس نگر کو کیا ہوا
کیا کیا بیاں کروں دلِ غم گیں کی حالتیں
وحشی ہوا ، دوانہ ہوا ، باؤلا ہوا

گلشنِ دہر میں ہم ہیں وہ شجر اے جرأت!!
عین موسم میں ہوں جس نخل کے سب ڈالے خشک

اٹھارویں صدی کی شاعری میں سیاسی و تہذیبی ابتری کے سبب پورے معاشرے پر یاس طاری تھی۔ یہ مشترکہ شعری تجربہ ہر شاعر کے ہاں موجود تھا۔میرؔ کا تجربہ خاصے کی چیز ہے، مگر جرأت پر پیروی میرؔ کا الزام بے بنیاد ہے۔ جرأت کے ہاں ایک تسلسل کے ساتھ غم اور گریہ کی شاعری کا ملنا اس کے ذاتی تجربات کے باعث ہے۔ بصارت سے محرومی نے اس گداز کو تقویت دی۔(۴)

جرأت کی سائیکی (Psyche) وجود اور روح کے نوحہ کدوں میں بھٹکتی پھرتی ہے۔معاملہ بندی کے مقابلے میں یہ ماتمی لے اس کے ہاں زیادہ ہے۔

جرأت وہ قصۂ غم اپنی ہی ہے کہانی
سب پھوٹ پھوٹ روتے جس داستان پر ہمیں؟

دھو چکے منہ کو تو کشتِ دل میں
تخم غم کا ہمیں پھر بونا تھا!

جرأت کے ہاں ذات کی شدید بے بسی کا احساس شکستہ پائی کی بعض تمثالوں میں بھی موجود ہے۔

صحرا کے بیچ رہتا کیوں کارواں سے چھٹ کر
گر آج کوئی ہوتا مجھ سے شکستہ پا کا

شکستہ پائی کے ساتھ ساتھ ''لہو'' کا استعارہ بھی ذات کے ابتلا و شدائد کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جرأت صرف معاملہ بند شاعر نہیں بلکہ روایت کا شاعر بھی ہے۔

ٹک خوب طرح دیکھ کہ اس خوں شدہ دل کی
ڈوبی ہی سدا رہتی ہے تصویر لہو میں

جرأت کی غزل میں قفس کا استعارہ بھی توجہ طلب ہے۔ قفس استعاراتی طور پر جرأت کی ذات کے کرب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کی ذات کی محرومی، ناکامی، بے بسی، لاچاری اور نامرادی ان استعاروں کی زیریں سطح پہ محسوس ہوتی ہے۔ بصری حیات کو نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے زندگی قفس سے عبارت ہوئی۔

قفس میں ہم صفیرو کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ
بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا

ہو کے مجبور اب کیا ہے صبر میں نے اختیار
ورنہ کیا میری قفس میں طبع گھبراتی نہیں

جوشِ گل چاکِ قفس سے دم بدم دیکھا کیے!
سب نے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کیے

ان تمثالوں کے سبب شاعر کی ذات ایک نقطے پہ ساکت ملتی ہے۔ جہاں ہر قسم کی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں جرأت کی شاعری یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ شعوری سطح پر بھی زندہ تھا۔ لکھنؤ کی بزمِ نشاط زوروں پہ تھی لوگ عیش و طرب میں مصروف تھے تو بھی جرأت جذب نہیں ہوا ان ایام میں جبکہ جرأت کے مقابلے میں انشا مکمل طور پر عیش و طرب میں گم ہو جاتا ہے۔ جرأت مکمل طور پر معاشرے کا شاعر نہیں ہے۔ وہ اپنا باطن غزل کی تہذیب کے باطنی مرکز دلی سے قائم رکھتا ہے، اس لیے جرأت کی غزل میں جنون، وحشت، دیوانگی، خود رفتگی، بے خبری اور حیرت کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ جن میں جرأت کے ذاتی تجربے کا کرب اور چمکملتی ہے۔ اس کا داخلی بحران شاعری میں موجود ہے۔ ان تجربوں میں جذبوں کی وہ شدت بھی ہے کہ جب انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا۔

ملایا خاک میں جب سے جنوں نے تب سے ہم یارو
بگولے کی طرح سے ہر بیاباں میں بھٹکتے ہیں

اے جوشِ جنوں گریۂ خونی سے ہمارے
نت غرق ہی رہتی ہے یہ زنجیر لہو میں

آوارگی ہے شہر میں ، صحرا میں وحشتیں
آرام میرے جی کو کہیں اک زماں نہیں

بصارت سے محرومی کے اثرات جرأت کی شاعری میں مختلف شکلوں میں نظر آتے ہیں۔جن میں سے ایک شکل شاعری میں لاشعوری طور پر خیالی محبوب کا پیکر تخلیق ہوتا ہے۔ یہ محبوب لکھنوی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔

یاد کیا آتا ہے میرا وہ لگے جانا اور آہ!
پیچھے ہٹ کر اس کا یہ کہنا ''کوئی آجائے گا''

اُردو ادب کی تاریخ میں جرأت کا ادبی مقام متعین کرنا چاہیں تو پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جرأت ایک عہد ساز شاعر ہے۔ وہ اپنے دور کی ادبی شناخت پہلے بنا اور معاملہ بندی اس کا تعارف بعد میں بنی۔ معاملہ بندی بھی جرأت کے ہاں معتدل ہے۔غزل میں جرأت کے ہاں باقاعدہ عورت کا وجود منظرِ عام پر آیا اور شاعری کو نوخیز لونڈوں سے نجات ملی اور اردو غزل کو ایک نئ جہت ملی۔اس کی عشقیہ شاعری اور اُردو غزل کو ایک نئ جہت ملی۔اس کی عشقیہ شاعری کے وجود ہی سے مستقبل میں لکھنؤ کی شاعری پروان چڑھی۔(۵)

ظہور احمد فاتح (پ ۲۱ م ۱۹۵۴ء)

ظہور احمد فاتح، ضلع ڈیرہ غازی خان کی تحصیل تونسہ شریف میں پیدا ہوئے عذرِ بصارت کے باوجود ایم۔اے اور ایم فل کیا۔ اسلامیات ان کا منتخب مضمون رہا۔تونسہ کی ادبی تعلیم بزمِ فروغِ ادب کے تاحیات سرپرست ہیں۔ دینی و ادبی ذوق رکھنے والے یہ صاحبِ مطالعہ شاعر گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف کامرس تونسہ شریف میں شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں۔(۶) قرآن و حدیث کو رہنمائی کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔نکھرا ہوا شعری ذوق اور عمدہ حافظہ رکھتے ہیں۔ کچھ عرصہ اس ادارہ میں پرنسپل کے فرائض بھی سرانجام دیے اور ثابت کیا کہ بہت سے اہلِ بصارت سے یہ اہلِ بصیرت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ابھی تیسری جماعت میں تھے کہ ابتدائی اشعار اپنی مادری زبان سرائیکی میں کہے۔چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ اُردو میں پہلی نعتیہ نظم کہی۔

دل تھا جس کا منتظر ، لو وہ مہینہ آ گیا
نیکی و عرفان و رحمت کا خزینہ آ گیا

پہلی باضابطہ غزل نویں جماعت ۱۹۴۹ء میں لکھی۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا:

تم وصل کے لمحات بھلا دو تو بھلا دو
مجھ سے یہ حسین خواب بھلائے نہیں جاتے

زمانۂ طالب علمی میں کی جانے والی شاعری میں پختگی کے آثار ملتے ہیں۔ نظموں کے موضوعات ایک نوعمر شاعر کے شباب کے عکاس نہیں ہیں۔ ''خون کے آنسو''، ''ڈاکٹر نذیر شہید''، ''وقت کی آواز'' اور ''سقوطِ ڈھاکہ''۔ پہلا دیوان ۱۹۸۰ء میں '' آئینہ دل کے نام'' سے سندھ پرنٹنگ پریس ڈیرہ غازی خان سے شائع ہوا۔ بعد ازاں بلوچی شاعری کے منظوم تراجم پر دو کتب عکاسِ فطرت اور ہفت رنگ کے نام سے شائع کروائیں۔

فاتح بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ تاہم نظم پہ بھی توجہ رہی ہے۔ اردو کے علاوہ فارسی، سرائیکی، پنجابی اور انگریزی زبان میں بھی شعر کہے۔ زیادہ شعری رجحان رومان کی جانب ہے تاہم ملی منظومات اور معاشرتی رویوں پہ بھی قلم اُٹھایا۔ مضافات میں بسنے والا یہ شاعر اپنے علاقے کی پہچان ہے۔ فاتح سبک سری کو قبول نہیں کرتے، انہوں نے صاف، رواں، مترنم بحروں کا انتخاب کیا ہے اور بعض مشکل بحروں میں بھی اچھے شعر نکالے ہیں۔ وہ اپنے اشعار کو استعاروں اور علامات سے سجانا اور بیان و بدیع سے مزین کرنا جانتے ہیں۔ (۷)

احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں ''میں نے فاتح صاحب کا کلام زندگی میں پہلی بار پڑھا ہے اور حیرت ہوئی کہ میں ایسے قادر الکلام شاعر سے کیسے بے خبر رہا فاتح صاحب کی غزلوں میں اردو اور فارسی غزل کا کلاسیکل حسن بھی موجود ہے اور ان کے اشعار میں جدید حساسیت بھی بھرپور انداز میں اظہار پاتی ہے۔ (۸)

''وہ لمبی اور چھوٹی بحروں میں یکساں سہولت سے شعر کہنے پر قادر ہیں۔ اس طرح سہل اور سنگلاخ، ہر قسم کی زمینیں ان کے فنی ہنر کے سامنے آب آب ہوگئی ہیں۔'' (۹)

''روح تیرے مراقبے میں'' اور ''سلام کہتے ہیں'' نعتیہ کلام پر مشتمل ہیں۔ نعت گوئی کی تاریخ بہت پرانی ہے جس پر خاصا تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ فاتح نے الفتِ رسول ﷺ پہ عاجزانہ اور عقیدت مندانہ انداز اختیار کیا ہے۔ ''سنہرے خواب مت دیکھو'' کا آغاز ہی شاعرانہ تعلیٰ سے ہوا ہے۔

''اتنا ضرور جانتا ہوں کہ صانع حقیقی نے مجھے بے پناہ شعری استعداد سے نوازا ہے اور میں نے گلشن شعر و ادب کی آبیاری پر بڑے پیمانے پر خونِ جگر صرف کیا ہے۔ زبردست محنت، مشقت اور ریاضت کی ہے لکھا ہے اور بے تحاشہ لکھا ہے یہاں تک کہ اشعار کے دریا بہا دیے ہیں۔۔۔ نگارِ ادب کی جھولی جواہرِ آبدار سے بھر دی ہے۔۔۔

میں ایک تارا ہوں آسمان سخن کا لیکن فاتح
دکھائی دیتا ہوں کم جہاں کو مگر سدا جھلملا رہا ہوں (۱۰)

نمونۂ کلام

چارہ گر کو قاتل سمجھے ، رہبر مانا رہزن کو
اک جھوٹے کو سچا سمجھے ، ساری بھول ہماری تھی
اک سرمستی کی خواہش میں موت سے ہم آغوش ہوئے
(ساری بھول ہماری تھی)

ے جھونپڑوں کے عذاب کیا جانے
وہ جو شاہی محل کا شاعر ہے
مدتیں ہو گئیں ہیں فاتح کو
ایسا لگتا ہے کل کا شاعر ہے (سنہرے خواب مت دیکھو)

ے لگا دیتا ہے تو ہی ڈوبتی ناؤ کنارے پر
دل بے تاب کو ہر دم تسلی تو ہی دیتا ہے
تری درگاہ میں فاتح ہیں کتنے ہاتھ پھیلائے
جمالِ فن ، کمال نکتہ سنجی تو ہی دیتا ہے (روح تیرے مراقبے میں)

ے جلوہ گر رہے حسنِ عالم میں جمالِ مصطفیٰؐ
محو ہو سکتا نہیں دل سے خیالِ مصطفیٰؐ (سلام کہتے ہیں)

ے بہوں پیارے ہن اے شعر ساکوں
اے موتی ہن انمول ساڈے (أساں بہوں دور ونجنا ہے)

ے جب بھی دیکھوں چودھویں کے چاند کو
یاد آ جاتا ہے اپنا مہ جبیں (کچھ دیر پہلے وصل سے)

ے نرالی سی کئی کیفیتیں دیکھیں ہیں فاتح میں
بلا کا زور آور ہے یہ مشتِ استخواں ہو کر (محرابِ اُفق)

مجموعی تاثر

بصارت جیسی بیش بہا نعمت کے چھن جانے کے بعد انسان کی اندھیر دنیا میں چراغاں اس کے اندر کی آنکھ کھل جائے تو ہو سکتا ہے۔ بے شمار لوگ اندھیروں میں بھٹک کر منزل کا راستہ کھو دیتے ہیں۔ مایوسی ان کا اس طرح

سے گھراؤ کرتی ہے کہ وہ ٹھوکریں کھا کر زندگی کو ہی خیرباد کہنے کی ٹھان لیتے ہیں۔ معری بینائی سے محروم ہو کر تلخ ہو گیا اور ردِ عمل کی شاعری کی مگر اس امر سے انکار ناممکن ہے کہ معری، غالب کی طرح اپنے زمانے کے بعد کا شاعر تھا جو پہلے پیدا ہوا۔ وہ منفرد اور اچھوتے خیالات کا خالق تھا جن کی ستائش نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ جرأت جیسا روایت ساز شاعر لکھنؤ کی شاعری کو ایک جداگانہ رنگ دیتا ہے اور ان کی قائم کردہ روایت کی روشنی میں مستقبل کی شاعری کی تعمیر ہوئی۔ جرأت کی معاملہ بندی کبھی ان کے لیے عیب بنی اور کبھی ہنر مگر اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ جرأت کے اس ردو قبول کے باوجود اُردو شعری روایت ان کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ اس مطالعے میں تین تاریک ادوار میں چھپے ہوئے روشن عہد سمیٹنے کی کاوش کی گئی ہے۔ اس رواں عہد کے اس آنکھ سے معذور مگر شعری نور سے مالا مال شاعر کا نام ظہور احمد فاتح ہے۔ جو تحصیل تونسہ کا ایک خوبصورت حوالہ ہے۔ فاتح کو فطرت کی طرف سے جذبوں کی جولانی اور خیال کی روانی عطیے کے طور پر ملی۔ فاتح کے ہاں تشبیہات و استعارات سبک اور رواں ہیں ان کے ہاں لفظی پیکر نگاری منفرد ہے۔ متعدد اشعار لطف کا باعث بنتے ہیں۔ وہ قدرت یا معاشرے سے کسی بھی صورت گلہ گزار نہیں بلکہ فقر و قناعت اُن کی شعری متاع میں بھی جھلکتی ہے۔ لیکن اندر کا دکھ کبھی شعری انداز میں جھلک ہی اُٹھتا ہے۔

لمحہ لمحہ قہر قضا تھا ، ساعت ساعت بھاری تھی — کچھ مت پوچھو دل والوں نے کیسے عمر گزاری تھی
کیسا غصہ کیسی خفگی تم جیتے ہم ہار گئے — لو تسلیم کیے لیتے ہیں ساری بھول ہماری تھی

حوالہ جات

۱۔ محمد کاظم، ابوالعلاء معری، مشمولہ، اخوان الصفا از محمد کاظم، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء ص ۸۹
۲۔ اقتدا حسن، ڈاکٹر، مرتب، کلیاتِ جرأت، لاہور، مجلس ترقی اردو ادب، ۱۹۶۸ء، جلد اول، ص ۱۷۴
۳۔ مصحفی، تذکرہ ہندی، مولوی عبدالحق، مرتب، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء، ص ۶۳
۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قلندر بخش جرأت، دلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۹۰ء، ص ۲۲
۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۴۲۵-۴۲۹
۶۔ شاہد ماکلی، ''تعارف''، مشمولہ، ''ساری بھول ہماری تھی'' از ظہور احمد فاتح، فاتح پبلی کیشنز، تونسہ شریف، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲
۷۔ زاہد منیر عامر، ''حروف کا مصور''، مشمولہ ''ساری بھول ہماری تھی'' از ظہور احمد فاتح ص ۱۱
۸۔ احمد ندیم قاسمی، اولین تاثر، ایضاً ص ۷
۹۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، ابتدائیہ، ایضاً ص ۸
۱۰۔ ظہور احمد فاتح، سنہرے خواب مت دیکھو، ممتاز پبلشنگ، لاہور، ص ۹

❀……❀……❀